بینک کا سود

ڈاکٹر یوسف القرضاوی
(ترجمہ وتلخیص) محمد رضی الاسلام ندوی

اسلام میں سود حرام ہے۔ قرآن وسنت کے قطعی نصوص حرمت سود کی صراحت کرتے ہیں حتیٰ کہ اجتہاد یا تجدید کا دعوی کرنے والا کوئی شخص اس میں کسی قسم کی تاویل یا رخصت کی گنجائش نہیں پیدا کر سکتا۔ اس لیے کہ امت کے سلف وخلف کے اجماع کے ذریعہ جو چیز قطعی الدلالۃ و الثبوت ہو اس میں اجتہاد نہیں کیا جا سکتا۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیات میں جو نزول قرآن کے اعتبار سے بھی آخری آیات ہیں۔ سود کا لین دین کرنے والوں کے سلسلہ میں زبردست وعید آئی ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ	جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باولا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں "تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے" حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خواری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو لوگ ایمان لے آئیں اور

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ	نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ	دیں ان کا اجر بیشک ان کے رب کے پاس
يَحْزَنُوْنَ ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا
اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ	موقع نہیں۔
مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو
مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا	اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے
فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ	اسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔
رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ	لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ
رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ	اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے
وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○ وَاِنْ كَانَ	خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو
ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ	(اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ	تم حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا	تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے
يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ	تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ	یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○	اس دن کی رسوائی اور مصیبت سے بچو جب
	کہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے۔ وہاں ہر
(البقرہ: ۲۷۵ - ۲۸۱)	شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی
	کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم
	ہرگز نہ ہوگا۔ (ترجمہ مولانا مودودیؒ)

یہ آیات درج ذیل مضامین پر مشتمل ہیں۔

(۱) اس میں سود کھانے والوں کی تصویر کشی اس شخص کی مثل کی گئی ہے جو آسیب زدگی کی وجہ سے مخبوط الحواس ہو گیا ہو خواہ اس کی یہ کیفیت آخرت میں ہو یا دنیا ہی میں۔ کہ دولت کمانے کی ہوس میں اس پر جنون طاری ہو جائے اور وہ جہنم کی طرح زندگی کے آخری لمحے تک ھل من مزید کی صدا لگاتا رہے۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

(۲) ان کے اس بے بنیاد خیال کی تردید کی گئی ہے کہ سود بیع کی مثل ہے۔ ایک سے نفع حاصل ہوتا ہے تو دوسرے سے انٹرسٹ۔ ان کی شرارتِ نفس یہاں تک پہنچ گئی کہ انھوں نے سود کو اصل اور بیع کو اس کے مشابہ قرار دیا۔ قرآن نے انتہائی صراحت اور قطعیت کے ساتھ ان کا رد کیا اور فرمایا "اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے" اس لیے نص محکم کے سامنے رخصت یا اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ پاکیزہ چیزوں ہی کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیز کو حرام ٹھہراتا ہے۔ اگر اس نے سود کو حرام کیا ہے تو اس کا سبب اس میں پائی جانے والی ناپاکی اور مادی و معنوی ضرر ہے۔

(۳) قرآن نے ہر اس شخص کے لیے دروازہ کھول دیا ہے جو حکمِ الٰہی پہنچنے کے بعد توبہ کرلے۔ اگر کوئی اس کے باوجود توبہ نہیں کرتا تو اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔

(۴) قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کے مال میں اضافہ کرتا ہے۔ اس سے سورۂ روم کی درج ذیل آیت کی تاکید ہوتی ہے:۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ	جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال
فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ	میں شامل ہوکر وہ بڑھ جائے۔ اللہ کے
اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ	نزدیک وہ نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ
تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ	کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے
هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○	سے دیتے ہو اسی کے دینے والے درحقیقت
(روم : ۳۹)	اپنے مال بڑھاتے ہیں۔

سود کا لین دین کرنے والوں کا یہ حسرتناک انجام لوگ آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔ ان کی بلند و بالا اور پرشکوہ عمارتیں لمحوں میں زمین بوس ہوجاتی ہیں اور وہ عذاب الٰہی کا شکار ہوجاتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اذا ظهر الزنا والربوا	جب کسی بستی میں زنا اور سود عام ہوجائے
في قرية فقد احلوا	تو وہاں کے باشندوں پر عذاب الٰہی آکر
بانفسهم عذاب الله	رہتا ہے۔

زنا کا عموم معاشرتی زندگی کے فساد پر دلالت کرتا ہے اور سود کے چلن سے معاشی زندگی کی بربادی لازم ہے۔

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابو زرعہ)

(۵) اللہ تعالیٰ سود کھانے والوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے انھیں بصیغۂ مبالغہ کافر اور گناہ گار قرار دیتا ہے۔

(۶) قرآن حکیم حکم دیتا ہے کہ حکم الٰہی آنے کے بعد اب جو بھی سود باقی ہے اسے نہ لیا جائے خواہ اس کی مقدار کتنی ہی ہو۔ جو لوگ اس حکم سے اعراض کریں قرآن ان کے ایمان کی نفی کرتا ہے۔

(۷) جو لوگ حرمتِ سود کے حکم الٰہی کے بعد بھی باز نہ آئیں قرآن ان کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ اتنی سخت وعید قرآن نے زنا، شراب نوشی یا کسی دوسرے جرم کی بابت نہیں سنائی ہے۔

(۸) آخر میں قرآن نے اس دن سے ڈرایا ہے جب ہر ایک کو اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور اس وقت کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔

احادیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے کو "سات ہلاک کرنے والی چیزوں" میں سے قرار دیا ہے۔ اس کا اطلاق فرد پر بھی ہوگا اور امت پر بھی اور ہلاکت دنیا کی بھی ہے اور آخرت کی بھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود کے لین دین کا حساب لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

دراصل اسلام میں ہر اس چیز کے بارے میں نہی وارد ہوئی ہے جو حرام کے ارتکاب میں مددگار یا اس تک پہنچا دینے والی ہو جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "الحلال والحرام فی الاسلام" میں بیان کیا ہے۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ سود کا گناہ زنا کے گناہ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ زنا کا صدور وقتی طور پر غلبۂ شہوت کی بنا پر ہوتا ہے جبکہ سود کی معصیت پلاننگ کے ساتھ، کھلم کھلا اور پیہم ہوتی ہے۔

بینک کا سود اور جدید دانشوران

لفظ "ربا" (سود) جب قرآن یا سنت میں مطلق آئے تو اس کا مطلب ربا کامل / ربا حقیقی ہوتا ہے۔ جو جاہلیت میں پایا جاتا تھا۔ اور جو "ربا النسیئہ" یا "ربا الدیون" کے نام سے معروف ہے البتہ احادیث میں سود کی ایک دوسری قسم بیان کی گئی ہے جسے "ربا الفضل" یا "ربا البیوع" کہتے ہیں۔ احادیث میں اس کی حرمت "سد الذرائع" کے باب سے ہے۔ گویا اس کی حرمت حقیقت میں مقصود نہیں۔ لیکن چونکہ وہ ربا حقیقی تک پہنچا دینے والی ہے۔ اس لیے اسے بھی حرام قرار دے

دیا گیا جیسا کہ امام ابن القیم نے فرمایا ہے۔

اس مقالہ میں ہمارا موضوع گفتگو ربا اصلی یا ربا جاہلی ہے۔ جو زمانہ قدیم سے تمام قوموں میں معروف ہے اور آج بھی پوری دنیا میں اس کا چلن ہے اور مغربی نوآبادیاتی سرمایہ دارانہ نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔

یہ انسانیت پر اسلام کا احسان عظیم ہے کہ اس نے سود کو مطلق حرام قرار دیا۔ یہی نہیں بلکہ ہر اس چیز کی تحریم کی جو اس تک پہنچانے والی ہو۔ اس نے توریت کی طرح یہ نہیں کہا کہ "اسرائیلیوں کے درمیان باہم لین دین کا معاملہ ہو تو سود حرام ہے۔ لیکن غیر اسرائیلیوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں حلال ہے"۔ اسلام نے سود کو بہر صورت حرام ٹھہرایا خواہ معاملہ کسی مسلمان کے ساتھ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ۔

اسلامی معاشرہ ایک طویل عرصہ تک سود کی آفتوں سے محفوظ رہا۔ سوائے اکا دکا واقعات کے جن سے کوئی انسانی معاشرہ بچ نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ مغربی سرمایہ دارانہ استعمار کا زمانہ آیا اور اسلامی ممالک اس کی غلامی کے جوئے میں آگئے۔ اس وقت استعمار نے اسلامی ممالک میں اپنے قانونی مالی اور اقتصادی نظام درآمد کرنے شروع کر دئے۔ انھیں نظاموں میں سے ایک بینک کا نظام بھی ہے جو لین دین کے معاملات میں سود پر مبنی ہے۔ یہ بینک اقتصادی زندگی میں اندر تک گھس گئے ہیں اور سیاسی اور معاشرتی زندگی پر ان کے اثرات مرتب ہونے لگے ہیں۔

مسلمانوں نے جب غاصب استعمار سے اپنے ممالک کو آزادی دلانے کے لیے جہاد کیا اور اسے مار بھگایا تو ان پر لازم تھا کہ ساتھ ہی وہ اس کے ثقافتی، قانونی اور اقتصادی اثرات سے بھی آزادی حاصل کریں۔ جن میں سے ایک سود بھی ہے۔ جو کہ اقتصادیات اور خاص کر بینک کے نظام میں اسی طرح جاری و ساری ہے جس طرح رگوں میں خون، اسی صورت میں وہ حقیقی اور مکمل آزادی حاصل کرتے۔ لیکن اس وقت مغربی فکر کے غلاموں اور مغربی تہذیب کے ایجنٹوں نے اس کی مخالفت کی۔ شروع میں انھوں نے مغربی تہذیب کی مکمل ماتحتی کی دعوت دی پھر کوشش کی کہ محکم اور قطعی نصوص کو توڑ مروڑ کر ان چیزوں کو حلال کر لیں جنھیں مغرب کے یہ درآمد نظام حلال قرار دیتے ہیں خواہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حرام ہی کیوں نہ کیا ہو۔

لیکن ان کی یہ کوششیں رائیگاں گئیں اور اہل علم کے دلائل کے سامنے ان کے سارے

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

شبہات باطل ٹھہرے۔ یہی نہیں بلکہ عالم اسلامی میں مختلف مقامات پر کانفرنسوں، اکیڈمیوں اور سمیناروں میں قطعیت کے ساتھ یہ بات طے پائی کہ بنکوں میں انٹرسٹ حرام ہے۔ مثال کے طور پر جامعۃ الملک عبدالعزیز کے زیر اہتمام "اقتصاد اسلامی کی پہلی عالمی کانفرنس" دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے فقہ، اقتصادیات اور مالیات کے تین سو سے زائد ماہرین نے بالاتفاق یہ بات کہی کہ بینکوں کا انٹرسٹ حرام ہے۔ اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے اور غیر سودی بینکوں کا قیام ناگزیر ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ سودی بینکوں کے بدل کے طور پر اسلامی بینکوں کے قیام کا تھا۔ الحمد للہ وہ بھی بخیر وخوبی طے پایا اور علما اور عملی میدان میں کام کرنے والوں کے درمیان باہمی تعاون سے اسلامی بینک قائم ہوئے اور آہستہ آہستہ پورے عالم اسلامی میں پھیل گئے۔ اور الحمد للہ اب ہم ان اسلامی بینکوں کی کارکردگی بہتر بنانے کی پوزیشن میں ہیں۔ اب ہم ان بینکوں کو ترقی دے رہے ہیں۔ ان میں پائی جانے والی بعض خامیوں کو دور کر رہے ہیں۔ ان کی مناسب کارکردگی کے لیے بہتر ماحول فراہم کر رہے ہیں اور اس کے لیے ایسے افراد فراہم کر رہے ہیں جو اسلام کے فہم اور علم اور اقتصادیات میں فنی مہارت کے جامع ہوں۔ کیا یہ سب مراحل طے کرنے کے بعد ہم پھر پہلے مرحلے میں واپس پہنچ جائیں۔ ہم سے کہا گیا تھا کہ تم اسلامی بنک کا ایسے بنک کا جو غیر سودی ہے، خواب نہ دیکھو۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی اقتصادیات کا خواب دیکھنا ترک کر دو۔ اس لیے کہ اقتصادیات زندگی کا مرکز اعصاب ہیں بینک اقتصادیات کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور سود بینک کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ گویا غیر سودی بینکوں کا تصور محال ہے۔ لیکن الحمد للہ ہم نے اسلامی بینکوں کو حقیقت کے روپ میں دیکھ لیا۔ میں قاہرہ میں ہونے والے اس سمینار میں جو جمعیۃ الاقتصاد الاسلامی کی دعوت پر منعقد ہوا تھا۔ شریک ہوا تھا۔ اس میں سو سے زائد علما اور فقیہ، اقتصادیات اور قانون کے ماہرین شریک ہوئے تھے۔ انھوں نے بالاجماع بینکوں کے سود کو حرام قرار دیا۔ بالفاظ دیگر پہلے کے اجماع کی توثیق کی۔ صرف ایک ماہر اقتصادیات نے اجماع کی مخالفت کرتے ہوئے بعض بے بنیاد شبہات دہرائے، مثلاً اس نے کہا کہ مشارکت مضاربت اور مرابحہ سود کا بدل نہیں ہے بلکہ اس کا بدل قرض حسن ہے۔ گویا اس طرح اس نے یہ کہنا چاہا کہ اسلامی بینک سودی بینکوں کا حقیقی بدل نہیں ہیں حالانکہ وہ یہ بھول گیا کہ قرآن میں سود کے مقابلے میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں ایک صدقہ اور دوسرے بیع۔ اگر کوئی اپنی ضروریات کے لیے سود لیتا ہے تو اس کا بدل صدقہ ہے اور اگر تجارت کے لیے سود لیتا ہے تو اس کا بدل بیع اور اس سے متعلقہ معاملات (شرکت ومضاربت وغیرہ) ہیں۔

میں اس معاملہ میں ان لوگوں کو معذور سمجھتا ہوں جو نصف صدی قبل مغربی تہذیب کے سحر میں گرفتار تھے اور اس کے افکار و نظریات کے پیچھے بھاگتے تھے۔ لیکن آج جب کہ مغربی تہذیب خود اپنوں کی تنقیدوں کا نشانہ بن رہی ہے۔ ان لوگوں کے لیے کوئی عذر نہیں ہے جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر محرمات کو جائز کرنے کے درپے ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل اور ان کا جائزہ

سطور ذیل میں ان خود ساختہ دلائل کا جائزہ لیا جائے گا جو جواز سود کے قائلین پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ تجارتی قرضوں پر سود حرام نہیں

جواز سود کی ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ”اللہ اور اس کے رسول نے جس قسم کے سود کو حرام قرار دیا ہے اُسے عُرف میں ”ربا الاستہلاک“ (ضروریات زندگی کے لیے لیے جانے والے قرض پر سود) کہتے ہیں۔ یعنی اس شخص سے سود لیا جائے جو کھانے، پینے، لباس اور دوسری ذاتی ضروریات کے لیے قرض طلب کرے۔ اس لیے کہ اس میں اس کی ضروریات کا استحصال ہے۔ رہا تجارتی قرضوں پر سود تو وہ حرام نہیں ہے“۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات تیرہ صدیوں میں کسی مسلم فقیہ نے نہیں کہی۔ یہ مطلق نصوص کو محض ظن و گمان کی بنیاد پر مقید بنانا ہے، تاریخ سے اس تاویل کا بطلان واضح ہوتا ہے۔ جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ اس قسم کا نہیں تھا کہ لوگ کھانے پینے اور ذاتی ضروریات کے لیے طلب کیے جانے والے قرض پر سود لیتے تھے۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ملتا ہے تو وہ شاذ و نادر ہوگا جس کی بنیاد پر احکام نہیں وضع کیے جا سکتے۔ عہد جاہلیت میں جو سود عام تھا وہ تجارت کا سود تھا۔ سردیوں اور گرمیوں میں جانے والے تجارتی قافلوں میں لوگ اپنا مال بھجوا دیا کرتے تھے اور معاملہ دو صورتوں میں سے کسی ایک پر طے ہو جاتا تھا یا تو مضاربت پر، اس صورت میں فائدہ ہوتا تو مالک اور مضارب کے درمیان مقررہ شرائط کے مطابق تقسیم ہو جاتا۔ اور نقصان ہوتا تو مالک برداشت کرتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ متعین سود طے کر کے مال دے دیا جاتا۔ عباس بن عبد المطلب کا سود اسی قبیل کا تھا جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ساقط کرنے کا اعلان فرما دیا تھا۔ کوئی انصاف پسند یہ تصور نہیں کر سکتا کہ حضرت

عباسؓ جو ایام حج میں اپنا مال خرچ کر کے حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے وہ لالچی اور بخیل یہودیوں کی طرح ضرورت مندوں کو سود کے ساتھ قرض دیتے ہوں گے۔

پھر اگر ایسا ہوتا تو اللہ کے رسول سود دینے والے پر لعنت نہ بھیجتے کیونکہ وہ بدرجۂ مجبوری اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے سودی قرض لینے پر مجبور ہوتا ہے اور اضطرار کی حالت میں تو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور دوسرے محرمات کو جائز کر دیا ہے۔

۲۔ حرمت سود کی حکمت

سود کے جواز میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ "حرمتِ سود میں جو حکمت تھی وہ اب نہیں پائی جاتی ہے۔ یعنی قرض خواہ کو قرض دہندہ کے ظلم اور استحصال سے محفوظ رکھنا۔ اور موجودہ زمانے کے بینکوں میں جس میں لوگ اپنا مال سرمایہ کاری کے لیے جمع کرتے ہیں۔ یہ صورت نہیں پائی جاتی ہے۔ یہاں قرض لینے والا طاقتور اور قرض دینے والا کمزور اور سود سو یا ہزار دو ہزار کا مالک ہے۔ بینک ان اموال کو منافع اور احتمالات کا جائزہ لے کر تجارت، صنعت یا سرمایہ کاری کے دوسرے ذرائع میں خرچ کرتا ہے۔ اگر کسی ایک معاملہ میں خسارہ ہوتا ہے تو دوسرے معاملات میں منافع سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ اور اگر تمام معاملات میں خسارہ ہوتا ہے تو مرکزی بینک اس کی تلافی کر دیتا ہے۔"

اس دلیل کا رد متعدد وجوہ سے ممکن ہے:۔

۱۔ اصل یہ ہے کہ شرعی احکام علت پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ حکمت پر۔ اس لیے کہ علت ہی وہ ظاہری وصف ہے۔ جسے ضبط میں لایا جا سکتا ہے اور جو کسی حکم کے سلسلہ میں واضح علامت ہوتی ہے۔ برخلاف حکمت کے کہ اسے ضبط میں نہیں لایا جا سکتا اور اس کی تعیین میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے۔

۲۔ اگر بالفرض ہم حکم کو حکمت پر مبنی کریں تو اسے جامع و مانع ہونا چاہیے تاکہ اس میں مسئلہ کی تمام صورتوں کا استیعاب ہو۔ حکمت کو صرف مالدار قرض دہندہ اور محتاج قرض خواہ میں محصور کرنا صحیح نہیں۔ حکمت یہ ہے کہ مال بذاتہ مال پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ اس میں محنت اور کام سے اضافہ ہوتا ہے۔ اسلام مال جمع کرنے اور حلال ذرائع سے اس میں اضافہ کرنے کو غلط نہیں قرار دیتا۔ وہ انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ "مالدار شخص آسمان کی بادشاہت

میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ چلا جائے" بلکہ وہ کہتا ہے کہ "اچھا مال اچھے شخص کے لیے ہے" (احمد وحاکم) اور اچھا مال وہ ہے جو حلال ذرائع سے کمایا گیا ہو اور حلال ذرائع سے اس میں اضافہ کیا جائے یعنی آدمی خود یا دوسرے کی شرکت کے ذریعہ اسے نفع بخش کاموں میں لگائے۔ اس طرح اسلام نے سرمایہ اور کام میں باہمی تعاون کا معاملہ رکھا اس کا تقاضا ہے کہ دونوں فریق نفع یا نقصان دونوں میں شریک ہوں۔ حرمت سود میں پائی جانے والی واضح حکمت یہی ہے کہ مال اور کام کے درمیان مبنی برانصاف اشتراک ہو اور نتائج کے دونوں ذمہ دار ہوں۔ اسلام کا جھکاؤ نہ تو کام کی طرف ہے نہ سرمایہ کی طرف۔

۳۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ بینک اموال کو تجارت، صنعت یا سرمایہ کاری کے دوسرے ذرائع میں خرچ کرتا ہے۔ بینک بنیادی طور پر قرض اور کریڈٹ کے ذریعہ نفع حاصل کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مثال کے طور پر بینک زید، عمر اور بکر سے بارہ فیصد قرض لیتا ہے پھر دوسرے لوگوں کو پندرہ فیصد پر قرض دیتا ہے۔ اس طرح تین فیصد بینک کا منافع ہوتا ہے۔ بینک کا یہی بنیادی کام ہے۔ گویا بینک ایک بڑا سودخوار ہے جس نے زمانۂ قدیم کے چھوٹے سودخواروں کی جگہ لے لی ہے۔

یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ بینک دیوالیہ نہیں ہوتے۔ آئے دن ہم مختلف ممالک میں بینکوں کے دیوالیہ ہونے کی خبریں سنتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ جو سرمایہ داری کا مرکز ہے وہاں ۱۹۸۷ء میں ۱۴۷ بینکوں نے اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کیا۔ بعد کے دو سالوں میں بھی قریب قریب اتنے ہی بینک دیوالیہ ہوئے ہیں۔

۳۔ حلت سود کے مصالح

بعض لوگ کہتے ہیں کہ "سود کو حلال قرار دینے میں بہت سے مصالح ہیں" یہ بات بھی متعدد وجوہ سے صحیح نہیں۔

ا۔ جو شخص شرعی احکام کا استقرا کرتا ہے۔ اسے یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو حرام نہیں کرسکتا جس میں لوگوں کے لیے فائدے ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کو حرام کر رکھا ہے جس سے انفرادی یا اجتماعی طور پر نقصانات ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں "جہاں مصلحت پائی جائے وہاں اللہ تعالیٰ کی شریعت بھی ہوگی" یہ بات صرف ان چیزوں میں صحیح ہوگی جن کے سلسلہ میں شریعت

میں کوئی حکم صراحت سے موجود نہ ہو اور معاملہ اجتہاد اور عقل پر موقوف ہو۔ ورنہ بقیہ چیزوں میں کہا جائے گا کہ "جس چیز کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے اس میں مصلحت ہے"۔

۲۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے بہت سے ماہرینِ اقتصادیات کہتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے مسائل کا سبب سودی نظام ہے اور عالمی اقتصادیات میں اس وقت تک بہتری نہیں آسکتی جب تک کہ سودی لین دین بالکل ختم نہ ہو جائے۔

۳۔ عملی پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سود نے عربی اور اسلامی ممالک کو سراسر نقصان پہنچایا ہے۔ اس سے ایک طرف کم وسائل رکھنے والے بہت سے پیشہ ور متاثر ہوئے ہیں۔ دوسری طرف مالداروں کو مزید دولت کمانے کے مواقع ملے ہیں۔ قرضوں نے تیسری دنیا کی کمر توڑ دی ہے۔ صرف مصر پر قرضوں کا بار تقریباً چوالیس ہزار ملین ڈالر ہے۔ اس پر اگر صرف دس فیصد سود مان لیا جائے تو سود کی رقم چار ارب چالیس کروڑ ڈالر ہوتی ہے۔ جبکہ بعض قرضوں پر اس سے زیادہ سود لیا جاتا ہے۔ پھر اگر طے شدہ مدت میں قرض کی رقم واپس نہ کی جاسکے تو سود میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

ایک ماہر اقتصادیات نے بجا طور پر کہا ہے کہ "سود اقتصادی زندگی کا ایڈز ہے"۔

۴۔ سود کیا ہے؟

اسی طرح جوازِ سود کے قائلین اس دلیل کا بھی سہارا لیتے ہیں کہ "فقہاء نے سود کے معنی کی تعیین میں اس حدیث پر اعتماد کیا ہے: "کل قرض جرّ نفعًا فھو ربا" (ہر وہ قرض جس کی واپسی منافع کے ساتھ ہو سود ہے) اور یہ حدیث پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

حالانکہ فقہاء حرمتِ سود کے لیے اس کو دلیل نہیں بناتے، اگرچہ بعض کتابوں میں یہ بیان ہوئی ہے بلکہ تمام فقہاء اس قرض کو جائز قرار دیتے ہیں جس کی واپسی کے وقت قرض خواہ کچھ اضافہ کر کے دے لیکن معاملہ کے وقت اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا ہے کہ آپ نے جب قرض واپس کیا تو اس میں اضافہ کر کے کیا اور فرمایا "تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی بہتر طریقے پر کریں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرض کی واپسی کے وقت اس میں اضافہ کو سود قرار دینا صحیح نہیں بلکہ سود کی صحیح تعریف یہ ہوگی کہ "ہر وہ قرض جس کی واپسی کے وقت اس میں کچھ اضافہ مشروط ہو سود ہے"۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

فقہاء نے سود کا مفہوم خود قرآن سے متعین کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا (البقرہ: ۲۷۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔

پھر فرمایا:۔

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (البقرہ: ۲۷۹)

اگر توبہ کرو تو اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ "راس المال" (سرمایہ) سے جو بھی زائد مال ہوگا وہ سود ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔

سود زمانۂ قدیم سے معروف ہے۔ عہد جاہلیت میں عرب اس کا لین دین کرتے تھے۔ یہود میں بھی زمانۂ قدیم سے رائج تھا۔ قرآن نے یہود کے جو جرائم بیان کیے ہیں ان میں ایک "سود" بھی ہے۔

بعض صحابہ سے مروی ہے کہ سود کی بعض صورتیں ان کو معلوم نہ تھیں۔ اس سے مراد ربا الفضل / ربا البیوع ہے۔ نہ کہ ربا النسیئہ / ربا الدیون۔ اور یہاں ہماری گفتگو ربا النسیئہ سے متعلق ہے جس کا تمام روائتی تجارتی بینکوں میں چلن ہے۔

(۵) بینکوں کا ڈپازیٹرس سے تعلق

جوازِ سود کے لیے ایک عجیب وغریب تاویل یہ کی جاتی ہے کہ "بینک میں انٹرسٹ کے لیے جو رقم جمع کی جاتی ہے وہ قرض نہیں ہے۔ اس لیے کہ بینک میں رقم جمع کرنے والے کے دل میں قرض کا خیال بھی نہیں آتا۔ رقم جمع کرنے والا غریب اور بینک مالدار ہوتا ہے۔ پھر غریب مالدار کو کیوں کر قرض دے گا؟"

اس وہم کو تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ بینک جمع شدہ مال کو قرض کے بجائے ودیعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن الفاظ بدل جانے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ "ودیعت" بینک کی اصطلاح ہے نہ کہ شریعت کی۔ شریعت میں ودیعت کا دوسرا مفہوم اور اس کے متعین احکام وقوانین ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ مال ودیعت امانت ہوتا ہے۔ اگر بغیر کسی تعدی کے

ضائع ہو جائے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہوتا جبکہ بینک جمع شدہ رقوم کے ضامن ہوتے ہیں۔

بینکوں میں جو لاکرس ہوتے ہیں جنھیں کرایہ پر لے کر ان میں زیورات، رقوم یا دستاویزات رکھی جاتی ہیں، صرف ان پر شرعی ودیعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے ضائع ہونے کی صورت میں بینک پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

قائلین جواز کی دلیل کو اس بات سے کوئی تقویت نہیں مل سکتی کہ ڈپازیٹر کو قرض کا خیال بھی نہیں آتا کیونکہ وہ غریب اور بینک مالدار ہوتا ہے ـــــ اس لیے کہ قرض کے ارکان میں سے یہ نہیں ہے کہ مالدار غریب کو دے۔ بلکہ متعلقہ تمام صورتیں قرض ہی میں آئیں گی۔ حکم قرض کے اثبات کے لیے نیت بھی ضروری نہیں ہے مثلاً مال ودیعت رکھنے والا اگر اس میں تصرف کرے تو وہ اس کے ذمے قرض ہو جاتا ہے اور ضائع ہونے کی صورت میں وہ اس کا ضامن ہوگا، خواہ وہ مال میں تصرف صاحب مال کی بغیر اجازت کرے یا اس سے اجازت لے لے۔ حضرت زبیرؓ کے بارے میں روایتوں میں آتا ہے کہ بہت سے صحابہ اور تابعین ان کے پاس حفاظت کی غرض سے مال رکھواتے تو وہ انھیں اپنے ذمہ قرض کر لیتے تھے، تاکہ ضائع ہونے کی صورت میں وہ ان کے ضامن ہوں۔

بینکوں کے متعلق معلومات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ بینکوں اور ان سے معاملہ کرنے والوں کے درمیان تعلق بہر صورت قرض خواہ اور قرض دہندہ کا ہوتا ہے۔

۶۔ بینکوں کا نظام مضاربت پر مبنی ہے؟

جواز سود کی ایک عجیب وغریب دلیل یہ دی جاتی ہے کہ "بینکوں کا نظام جس اصول پر مبنی ہے وہ شرعی "مضاربہ" ہے۔ یعنی بینک ایجنٹس سے مال لیتا ہے۔ اس وقت وہ مُضارِب اور دوسرے اصحاب مال ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ دوسرے ایجنٹس کو مال دیتا ہے تو خود صاحب مال اور دوسرے لوگ مضارب ہو جاتے ہیں"۔

لیکن یہ حقیقتِ حال کی تصویر کشی نہیں ہے جیسا کہ ماہرین اقتصادیات کہتے ہیں۔ اور مضاربت کی روح کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ مضارب امین ہوتا ہے۔ اگر اس کے قبضہ سے مال ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ مال کی ضمانت کی شرط عائد کرنے سے مضاربت کا معاملہ ہی غیر مشروع ہو جائے گا جبکہ بینک کے قبضے میں جو مال ہوتا ہے اس کا وہ ضامن

ہوتا ہے۔

اسی طرح مضاربت میں دونوں فریق نفع اور نقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ کوئی ایک فریق لازمی منافع اور طے شدہ مال کا مستحق نہیں ہوتا۔ بلکہ دونوں کا حصہ فیصد تناسب کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے۔ فقہاء نے یہ استدلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے کیا ہے کہ آپؐ نے اہلِ خیبر سے مزارعت میں زمین کی پیداوار کے فیصد تناسب پر معاملہ کیا تھا۔ فقہاء کہتے ہیں کہ مضاربت مضارعت کے ہم معنیٰ ہے۔

تمام مسالک کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں خرقی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"شرکاء میں سے کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے لیے چند دراہم خاص کرلے"۔

پھر اس کی تشریح میں کہا ہے:۔

یعنی ہر شریک کا حصہ متعین ہوجائے پھر کوئی شریک اپنے لیے مزید کچھ دراہم خاص کرلے مثلاً اپنے حصے کے ساتھ دس درہم مزید خاص کرلے تو شرکت باطل ہوجائے گی"۔

ابن منذر کہتے ہیں: "تمام اہلِ علم کا اجماع ہے کہ اگر قراض (یعنی مضاربت) میں دونوں فریق یا ان میں سے کوئی ایک، اپنے حصے کے علاوہ کچھ درہم مزید خاص کرلے تو وہ معاملہ باطل ہے" یہی رائے مالک، اوزاعی، شافعی، ابوثور اور اصحاب رائے (یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب) کی بھی ہے۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ "یہ معاملہ دو وجہوں سے صحیح نہ ہوگا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اگر وہ کچھ دراہم خاص کرلینے کی شرط لگا دے تو ممکن ہے کہ صرف اتنا ہی منافع ہو اس طرح ایک ہی فریق پورے منافع کا مالک ہوجائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ بھی منافع نہ ہو تو وہ اصل سرمایہ میں سے اتنے درہم لے لے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بہت زیادہ منافع ہو تو جس فریق نے اپنے لیے کچھ درہم خاص کیے ہوں گے اس کا نقصان ہوگا"۔

عصرِ حاضر کے بعض دانشور کہتے ہیں کہ یہ محض فقہی اجتہاد ہے۔ قرآن وسنت سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایک شرعی اور منصوص اصل پر مبنی ہے اور وہ ہے مزارعت۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "منتقی الاخبار من احادیث سیّد الاخیار" میں ایک باب منعقد کیا ہے "عقد باطل ہوجانے کا بیان اگر طرفین میں سے کوئی ایک اپنے لیے بھوسا یا زمین کا کوئی حصہ خاص کرلے" (عقد سے مراد مزارعت ہے) اور

متعدد احادیث ذکر کی ہیں مثلاً: حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں: ہم میں سے اکثر انصار کسان تھے۔ ہم زمین کو بٹائی پر دیتے تھے اور طے کر لیتے تھے کہ فلاں حصہ مالک کا ہے اور فلاں بٹائی پر کام کرنے والے کا۔ کبھی ایک حصہ میں پیداوار ہوتی دوسرے میں نہ ہوتی لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شرط لگانے سے ہم لوگوں کو منع کر دیا (بخاری ومسلم)

ایک روایت میں ہے کہ "ہم زمین کو بٹائی پر دیتے تھے۔ اس شرط کے ساتھ کہ زمین کا کچھ حصہ مالک کے لیے خاص کر دیا جاتا تھا۔ کبھی اس میں پیداوار بالکل نہ ہوتی اور اس کے علاوہ بقیہ زمین میں پیداوار ہوتی اور کبھی اس میں پیداوار ہوتی بقیہ زمین میں نہ ہوتی۔ اس لیے ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ (بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ بٹائی کرواتے تھے تو اپنے لیے نالیوں کے اوپر کا حصہ یا کچھ کھیتی مخصوص کر لیتے تھے چنانچہ کبھی اس میں پیداوار اچھی ہوتی بقیہ کھیتی میں نہ ہوتی کبھی بقیہ کھیتی کی پیداوار اچھی ہوتی اس میں اچھی پیداوار نہ ہوتی۔ اس لیے اللہ کے رسول نے اس سے منع فرما دیا (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

ایک روایت میں ہے کہ زمین کا مالک اپنے لیے نالیوں کے اوپر کا حصہ، یا بھوسہ یا پھل کی متعین مقدار خاص کر لیتا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کی ممانعت فرما دی۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ان تمام صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے جن میں طرفین میں سے کوئی ایک اپنے لیے کچھ خاص کر لیتا ہے اس لیے کہ یہ عدل کے منافی ہے اور عدل یہ ہے کہ دونوں فریق نفع یا نقصان میں برابر کے شریک ہوں۔

یہ احادیث مزارعت سے متعلق ہیں اور مضاربت اور مضاربت دونوں کے احکام یکساں ہیں۔ مضاربت کو ہم تجارت کی مزارعت کہہ سکتے ہیں اور مزارعت کو زراعت کی مضاربت، مزارعت میں مالکِ زمین اور مزارع کا اشتراک ہوتا ہے اور مضارعت میں صاحبِ مال اور مزدور کا۔

۷۔ کرنسی کا حکم

جوازِ سود کی ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ "اسلام نے جن سکوں میں سود حرام قرار دیا تھا وہ سونے اور چاندی کے ہوتے تھے۔ حرمت کا اطلاق اس کرنسی پر نہیں ہوتا جس سے آج ہم لین دین کرتے ہیں جن احادیث میں سود کی حرمت بیان کی گئی ہے وہ مخصوص اصناف (سونے،

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سنِ وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

چاندی) سے متعلق ہیں، ان کی حرمت کی واضح حکمت یہ تھی کہ وہ دونوں نفیس معدنیات میں سے ہونے کی وجہ سے ذاتی قیمت رکھتے تھے خواہ ان کا استعمال بطور سکّے نہ کیا جاتا۔ یہاں تک کہ علماء کے درمیان "فلوس" کے بارے میں اختلاف ہے کہ انھیں اصلی سکّوں (سونے چاندی) کے ساتھ شامل کیا جائے یا نہیں (فلوس سے مراد سونے چاندی کے علاوہ دوسری معدنیات مثلاً پیتل اور نکل وغیرہ سے بنے ہوئے سکّے ہیں)

قائلینِ جواز نے اس سلسلہ میں یہ بھی کہا ہے کہ "کرنسی نوٹ کی قیمت اور مالیت میں افراطِ زر کے سبب کمی آتی رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال بینک وغیرہ سے جو انٹرسٹ لیتا ہے وہ اس کمی کے بدل کے طور پر لیتا ہے جو بینک میں جمع کیے گئے اس کے مال میں افراطِ زر کے سبب ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہ انٹرسٹ اس کمی کے مقابلے میں بہت معمولی ہوتا ہے۔ مثلاً صاحب مال کو دس فیصد انٹرسٹ ملتا ہے جبکہ اس کے مال کی قدر و قیمت میں پندرہ فیصد کمی آجاتی ہے"۔

واقعہ یہ ہے کہ قائلینِ جواز کی مذکورہ دلیل کا ایک حصہ تو سراسر باطل ہے۔ دوسرا حصہ صحیح ہے لیکن اس کا غلط مطلب لیا گیا ہے۔ جو حصہ باطل ہے وہ یہ کہ سکّوں کو صرف سونے چاندی میں محصور کر دیا گیا ہے اور اس کرنسی کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے جو موجودہ دور میں مستعمل ہے۔ اگر اس کو مان لیا جائے تو اس سے زکوٰۃ کا ابطال اور سود کی اباحت لازم آئے گی۔ کیونکہ اس صورت میں صرف سونے چاندی ہی میں زکوٰۃ عائد ہوگی اور انھیں میں سود کا اعتبار ہوگا۔ کرنسی پر زکوٰۃ اور سود کسی کا حکم نافذ نہ ہوگا۔ کرنسی کو "فلوس" پر قیاس کرنا بھی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فلوس کو بنیادی سکّوں کی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ وہ سکّوں کے "کسور" (ریزگاری) تھے جنھیں چھوٹے معاملات میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی طرح بعض لوگ کرنسی کو مرکزی خزانہ پر قرض کے پونڈ کی حیثیت دیتے ہیں اور اس سلسلے میں بھی وہی اختلافات بیان کرتے ہیں جو قرض کے سلسلہ میں ہیں۔ یہ تمام باتیں سراسر باطل ہیں۔ میں نے اپنی کتاب "فقہ الزکوٰۃ" میں ان کا رد کیا ہے اور ان کی غلطی واضح کی ہے۔ خرید و فروخت، اجارہ، دیت، مہر، اور دوسرے معاملات میں اسی کرنسی کا استعمال ہوتا ہے اور اس پر شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں۔ ان کی جتنی بڑی مقدار کا انسان مالک ہوتا ہے اسی کے بقدر مالدار سمجھا جاتا ہے۔ ان کی چوری پر دنیا کے تمام قوانین سزا لازم کرتے ہیں پھر ان کی حیثیت محض پونڈ کی کیوں کر ہو سکتی ہے؟

اور جو بات صحیح ہے لیکن اس کا غلط مطلب لیا گیا ہے وہ افراطِ زر اور قیمت یا کرنسی کی

مالیت میں کمی پر اس کے اثر سے متعلق ہے۔ اس مسئلہ میں اور اس کے حکم اور قرضوں کی ادائیگی میں اس کے اثر کے سلسلہ میں موجودہ دور کے اہلِ فقہ میں اختلاف ہے۔ فقہ اسلامی اکیڈمی (جو منظمۃ المؤتمر الاسلامی کے تابع ہے) کے اجلاس منعقدہ کویت ماہ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں اس موضوع پر غور کیا گیا۔ شرکا، دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ جب تک کرنسی مستعمل ہے اس وقت تک افراطِ زر کے سبب اس کی مالیت میں ہونے والی کمی کا اعتبار نہ ہوگا۔ دوسرا فریق اس کرنسی کو اکثر حالات میں سونے چاندی کے سکوں کے حکم میں لیتا تھا۔ نہ کہ تمام حالات میں یعنی بعض حالات میں ان کے نزدیک اس کا حکم سونے چاندی کے سکوں سے مختلف ہوگا۔ جس طرح زمانۂ قدیم میں فقہاء فلوس کو اس وقت اصلی سکّوں کے حکم میں لیتے تھے جب وہ مستعمل اور رائج الوقت ہوں لیکن جب وہ غیر مستعمل ہو جائیں تو ان کی خرید و فروخت سامانِ تجارت کے مثل ہوتی تھی اور ان کی مالیت میں کمی بیشی ہوتی تھی۔ یہی حال بعض علماء کے نزدیک بعض مخصوص حالات میں کرنسی کا بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اس وقت جب افراطِ زر کے سبب کرنسی کی مالیت انتہائی حد تک کم ہو جائے۔

پھر یہ کہ مالیت میں کمی کی بات صرف بینک سے معاملات میں اور وہ بھی ڈپازیٹرس کے تعلق سے کیوں کی جاتی ہے؟ زندگی کے دوسرے معاملات میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں آتا؟

کرنسی کی مالیت میں کمی کے مطابق لوگ حکومت سے ملازموں اور مزدوروں کی تنخواہوں اور پنشن یافتہ لوگوں کی پنشن میں اضافہ کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟ گھروں، دوکانوں اور زمینوں کے کرایہ میں اضافہ کیوں نہیں کرتے؟ قانون میں تبدیلی کر کے قرضداروں کو کیوں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ مالیت میں کمی کے مطابق قرضوں کی ادائیگی کے وقت کمی بیشی کر لیا کریں؟ ان سب باتوں سے اعراض کرنا اور صرف بینک سے معاملات میں افراطِ زر کے سبب مالیت میں کمی کی بات کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ پس پردہ بات کچھ اور ہے!

۸۔ سود کی قلیل مقدار حرام نہیں؟

جوازِ سود کے لیے ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ " قرآن نے صرف اس سود کو حرام کیا ہے جو اصل مال پر کئی گنا لیا جائے۔ رہا معمولی سود مثلاً آٹھ دس فیصد تو وہ حرام نہیں ہے"۔ یہ شبہ بیسویں صدی کی ابتدا ہی سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اور بطور دلیل قرآن کی یہ آیت

☆ قال الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالی : امن الناس علیّ فی الفقہ محمد بن حسن ☆

پیش کی جاتی ہے :۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ یہ بڑھتا چڑھتا
اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ	سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو۔ امید
تُفْلِحُوْنَ ○ (آل عمران : ۱۳۰)	ہے کہ فلاح پاؤ گے ۔

جو لوگ عربی زبان اور اس کے اسالیب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ "سود" کا یہ وصف اس سے نفرت اور ناپسندیدگی واضح کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے نہ کہ اس سے قید مقصود ہے۔ مثال کے طور پر اگر کہا جائے کہ "نشہ آور چیزوں سے بچو جو انسان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہیں" تو اس کا مطلب نشہ آور چیزوں کی ہلاکت خیزی اور خطرناکی واضح کرنا ہے نہ کہ نشہ کی دوسری قسموں کو مستثنیٰ کرنا۔ اسلام میں تحریم کا اصول یہ ہے کہ زیادہ میں پڑنے کے اندیشہ سے کم سے بھی روک دیا جاتا ہے اور اس طرح اس دروازہ ہی کو بند کر دیا جاتا ہے جس سے فساد در آنے کا اندیشہ ہو۔

پھر یہ کہ کم اور زیادہ کا معیار کیا ہوگا ؟ کس اصول سے دس فیصد کو کم اور بیس فیصد کو زیادہ کہا جائے گا۔ بقول ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز "آیت کے ظاہر الفاظ کو لیا جائے تو "اضعافاً مضاعفہ" کا اطلاق کم از کم چھ سو فیصد پر ہوگا کیونکہ "اضعاف" جمع ہے جو کم از کم تین پر صادق آئے گا اور تین کو کم از کم ایک مرتبہ دوگنا کیا جائے گا تو چھ ہوں گے ۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں سورۂ بقرہ کی آیات بہت صریح ہیں اور وہ نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیات میں سے ہیں :۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو
وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ	اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے
کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا	اسے چھوڑ دو۔ اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔
فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ	لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ
وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ	اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے
لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○	خلاف اعلان جنگ ہے اب بھی توبہ کر لو
(البقرہ : ۲۷۸، ۲۷۹)	تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔ نہ
	تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے ۔

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں : فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

۹۔ بینک انٹرسٹ اور ربا الجاہلیۃ

جوازِ سود کی ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ بینک سے جو انٹرسٹ ملتا ہے وہ اس "ربا الجاہلیۃ" سے مختلف ہے جسے قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ ربا الجاہلیۃ ___ جیسا کہ اسلاف سے مروی ہے ___ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص سے ایک مدت تک کے لیے قرض لیتا تھا پھر جب وہ مدت پوری ہو جاتی تھی تو صاحب مال قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا تھا اور عدم ادائیگی کی صورت میں سود لگا دیتا تھا۔"

یقیناً یہ صورت ربا الجاہلیۃ میں سے ہے۔ لیکن تنہا یہی نہیں ہے۔ بلکہ دوسری بہت سی دلیلوں اور متعدد واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات سود ابتداہی میں مشروط ہوتا تھا جیسا کہ تجارتی قافلوں کے ساتھ مال لے جانے والے کرتے تھے۔ امام جصاص نے "احکام القرآن" میں لکھا ہے کہ "اہلِ عرب کے درمیان سود کی جو صورت معروف تھی وہ یہ تھی کہ وہ درہم و دینار کا قرض لیتے تھے اور کچھ زیادتی کے ساتھ اس کی واپسی کا معاملہ کر لیتے تھے۔"

اگر بالفرض ربا الجاہلیۃ کی صرف مذکورہ صورت ہو تو دوسری صورت تو بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگی اس لیے کہ ربا الجاہلیۃ میں لوگ ابتداء میں بغیر سود کے معاملہ کرتے تھے بعد میں مدت گزر جانے پر سود لگاتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ معاملہ کی ابتداء ہی سے سود لگانا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا اور یہی موجودہ زمانے کے بینک کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا معاملہ ربا الجاہلیۃ سے زیادہ برا ہے۔

۱۰۔ انٹرسٹ اجارہ کے مثل ہے

جوازِ سود کی ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ "جو شخص بینک میں اپنی رقم ڈپازٹ کرتا ہے اور اس پر متعین انٹرسٹ لیتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنی زمین کو کرایہ پر دیتا ہے اور متعین اجرت لیتا ہے پھر اسے کوئی مطلب نہیں ہوتا خواہ زمین میں پیداوار ہو یا نہ ہو"

اس دلیل میں مغالطہ پایا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں کرنسی کو زمین پر اور انٹرسٹ کو اجرت پر قیاس کیا گیا ہے۔ جبکہ دونوں کے درمیان علت میں اشتراک نہیں ہے۔ زمین کے اجارہ میں علت کھیتی کے ذریعہ بعینہٖ زمین سے انتفاع ہے جبکہ بعینہٖ کرنسی سے انتفاع ممکن نہیں۔

پھر یہ کہ زمین کو کرایہ پر دینے کے جواز پر تمام علماء متفق نہیں ہیں۔ فقہاء سلف میں بعض سونے

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

چاندی کے بدلے زمین کو کرایہ پر دینے کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ ابن حزم نے 'محلی' میں اسی مسلک کو اختیار کیا ہے اور زمین کو اجرت پر دینے کو حرام اور مزارعت کو جائز قرار دیا ہے۔ میں بھی اسی مسلک کو ترجیح دیتا ہوں۔ بعض لوگ اسے جائز تو کہتے ہیں لیکن اگر کھیتی کی پیداوار کسی آفت کی وجہ سے کم ہو تو اجرت میں کمی کر دینے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس مسلک کو امام ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں راجح قرار دیا ہے۔

سود کی حرمت پر اجماع ہے

آخر میں اس بات کی صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ سود کی حرمت پر فقہ اور اقتصادیات سے متعلق اکیڈمیوں، اداروں اور کانفرنسوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ مثال کے طور پر تین عالمی علمی اکیڈمیوں (مجمع البحوث الاسلامیہ جامعہ ازہر۔ قاہرہ۔ المجمع الفقہی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور مجمع الفقہ الاسلامی التابع لمنظمۃ المؤتمر الاسلامی جدہ) نے تمام قسم کے سود بشمول بینک انٹرسٹ کو حرام قرار دیا ہے۔
اس اجماع پر انفرادی آراء (اور وہ بھی ان لوگوں کی جو فقہ اور اقتصادیات کے میدان کے نہ ہوں) سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے نسخ کے لیے اسی قسم کے اجماع کی ضرورت ہوگی۔
مئی ۱۹۶۵ء میں ازہر کی مجمع البحوث الاسلامیہ کے تحت منعقد علماء کی کانفرنس نے اقتصادی اور معاشرتی مسائل سے متعلق ایک بیان جاری کیا تھا جس کی چند دفعات یہ تھیں:۔

۱۔ تمام قسم کے قرضوں پر انٹرسٹ حرام ہے خواہ قرض نجی ضروریات کے لیے لیا گیا ہو یا تجارت کے لیے۔ اس لیے کہ کتاب وسنت کے نصوص دونوں قسم کے قرضوں پر سود کو حرام قرار دیتے ہیں۔

۲۔ سود حرام ہے خواہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں۔

۳۔ سود پر قرض دینا حرام ہے۔ کسی صورت میں جائز نہیں۔ اسی طرح سود پر قرض لینا بھی حرام ہے اور اس کا لینے والا گناہ گار ہوگا اِلّا یہ کہ کوئی ناگزیر ضرورت ہو۔

۴۔ بینکوں کے ساتھ درپیش بعض معاملات مثلاً کرنٹ اکاؤنٹ، چیک کیش کرانا، اتھارٹی لیٹر، انٹرنل بینک ڈرافٹ جس کے ذریعہ تاجروں اور بینکوں کے درمیان کام چلتا ہے یہ سب جائز ہیں اور ان کے ذریعہ جو رقم ملتی ہے اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا۔

۵۔ فکسڈ ڈپازٹ، انٹرسٹ کا کھاتا اور انٹرسٹ کے مماثل قرض کی تمام صورتیں سودی معاملات میں سے ہیں۔